

قرآن کا سیاسی نظام

<?xml encoding="UTF-8?">

انسانی زندگی کے مختلف تاریخی ادوار نے ثابت کیا ہے کہ انسانی معاشرے سے وابستہ امور کی تدبیر اور سیاست پر خاص توجہ رکھنا چاہئے ، کیونکہ معاشرے کے نظام کو عقل و رسم و رواج اور شرع نے موضوع بحث قرار دیا ہے اور ان میں سے ہر ایک کے تقاضے کی بنا پر انسانی معاشرے کا نظام تیار ہوا ہے ۔

سیاست اور نظم و نسق کا مسئلہ اسلام میں دوسرے ادیان سے کہیں زیادہ اہم اور نمایاں ہے ۔ اسلامی احکام و قوانین پر طائرانہ نظر ڈالنے سے بھی یقین ہوجاتا ہے کہ سیاست کو شرع مقدس سے جدا نہیں کیا جا سکتا کیونکہ شرع کے تار و پود میں سیاست مضمّن ہے ۔

حکومت ، ولایت ، امر بہ معروف ، نہی عن المنکر ، جہاد ، دفاع ، قضاوت ، شہادات ، حدود ، قصاص ، تجارت ، معاملات ، نا بالغوں ، یتیموں اور مجانین کی ولایت ، سماجی اور گھریلو حقوق ، تربیتی اور ثقافتی امور ، اقتصادی مسائل ، زکوٰۃ ، خمس ، غنائم ، ذمی اور اہل کتاب کے احکام ، دوسری ملتوں سے امت مسلمہ کے تعلقات ، جنگ و صلح اور اسی طرح کے دوسرے مسائل ان فقہی اور اسلامی معارف کے زمرے میں شامل ہیں جنہیں معاشرے کی سیاست و تدبیر سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا ۔ یہاں تک کہ عبادات میں سے حج ، نماز جمعہ اور جماعت وغیرہ کا تعلق سیاست سے قابل توجہ ہونے کے ساتھ ساتھ ناقابل جدائی ہے ۔

پیغمبر اسلام کی سیرت اور سیاست دونوں ایک کھلی کتاب کے مانند ہیں ، جو تمام مسلمانوں کے لئے مشعل راہ ہے۔

یہ کہنا غلط ہے کہ رسول خدا محض عبادات ، اعتقادات کی تعلیم اور لوگوں کی تربیت و ہدایت ہی کرتے رہے ۔ اسلامی ملک کی اندرونی و بیرونی سیاست سے ان کا کوئی واسطہ نہ تھا ! مختلف ملکی سر براہوں کے نام آنحضرت کے خطوط ، عملی طور پر ظالم و جابر افراد کے خلاف اقدامات ، شیطانی سیاست اور سیاست مداروں سے ٹکر ، باطل کے خلاف جنگ میں لوگوں کو جمع کرنا ، مسند قضاوت پر بیٹھنا ، (عدل و انصاف قائم کرنا) اور تمام سماجی امور میں رہنمائی کرنا ایسے روئے اور طور طریقے ہیں جن کو پیغمبر کی سنت و سیرت سے جدا نہیں کیا جاسکتا ۔ لہذا سیاسی مسائل کی اہمیت ، ان کا شریعت سے تعلق ، اور بانی اسلام کی ان معاملات میں براہ راست رہنمائی ، نیز اسلامی معاشرے کی ہدایت کی ذمہ داری نہ صرف عقل و شرع کے بدیہی امور میں شمار کی جاتی ہے بلکہ ان میں ابہام کی کوئی گنجائش نہیں ہے ۔

چونکہ پیش نظر مباحث کا موضوع اسلام کا سیاسی نظام ہے ، لہذا ان میں حسب ذیل امور کا تجزیہ ضروری ہے :

1-سیاست کا مفہوم اور حیات انسانی میں اس کا مقام

۲۔ اسلام میں سیاست اور اس کے ابعاد

۳۔ اسلام کا سیاسی نظام اور قرآن میں اس کے مقدمات و اصول

۴۔ قرآنی نقطہ نظر سے سیاست کے مقاصد

سیاست کا مفہوم

لفظ سیاست کے مروجہ معنوں اور دنیا کے دھوکے باز سیاسی رہنماؤں کے عمل کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ لفظ سیاست کے معنوں میں اتنی تحریف کی گئی ہے کہ آج دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اس لفظ کے لغوی و حقیقی معنوں سے تضاد رکھتا ہے۔ یہ بات ہم کو مجبور کرتی ہے کہ ہم سب سے پہلے لفظ سیاست کے مفہوم کی توضیح پیش کریں۔ اس کے بعد سیاسی نظام کے ابعاد اور قرآنی نقطہ نظر سے اس کے مقاصد پر روشنی ڈالیں۔

لغت اور اسلامی کتابوں کے ماخذ اور متون میں مندرج لفظ سیاست کے معنوں پر غور کرنے سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ سیاست کے حقیقی معنی، انسانی معاشرے، ملک اور عوام کی سرپرستی و قیادت کے ان ابعاد پر مشتمل ہیں، جن کے ذریعہ ان کی فلاح و بہبود اور ترقی کی ضمانت ملتی ہے۔ لفظ سیاست پر مشتمل تشریحات کو لغت کی بعض کتابوں نے درج کیا ہے :

مجمع البحرين

ساس، یسوس، الرعیہ، امرہا و نہاھا، سیاست کے معنی، عوام پر احکام جاری کرنے اور پابندی عائد کرنے کے ہیں۔ حدیث میبہ: ”ثم فوض الی النبی امر الدین و الامۃ لیسوس عباد“ ”دین اور امت مسلمہ سے وابستہ امور کی ذمہ داری پیغمبر اسلام کو سونپی گئی تاکہ لوگوں کو سیاست اور راہنمائی کریں۔

دائرة المعارف بستانی

ساس القوم، دبرہم و تولی امرہم۔ الامر: قام بہ، فہو ساس السیاسة: استصلاح الخلق بار شاد ہم الی الطريق المنجی فی العاجل او الآجل السیاسة المدینة: تدبیر المعاش مع العموم علی سنن العدل و الاستقامہ کسی معاشرے کی سیاست کرنا: ان کے امور کی تدبیر اور ان کے تقاضوں کا جواب دینے کے ساتھ ساتھ عدل و انصاف و راہنمائی کے معاملات کو آزادی سے بجالانا ہے۔ سیاست مدن: یعنی معاشرے کی معیشت، عدل و انصاف اور آزادی کے اصولوں پر فراہم کرنا۔

عربی لغت، لاروس

ساس الوالی الرعیہ: ”تولی امرہا و احسن النظر الیہا“ حاکم نے رعایا کی سیاست کرنے کی ذمہ داری قبول کی :

یعنی عوام کے تمام کارو بار کی ذمہ داری قبول کر کے ان کی فلاح و بہبود کے لئے سوچا ۔
”منجد الطلاب“ کے ترجمے میں بھی سیاست کی اس طرح تعریف کی گئی ہے ۔ مملکت داری، عوام کے امور کی اصلاح ، ملکی کار و بار کا انتظام ، اور سیاست مدن یعنی معاشرے کو سیاست کرنا ۔

فارسی لغت ’ ’معین“ میں سیاست مذکورہ بالا معنوں کے علاوہ حسب ذیل معنی بھی درج کئے گئے ہیں ۔
”قضاوت ، عدالت ، سزا ، جزا ، تنبیہ ، ملک کی سرحدوں کی حفاظت اور ملک کے داخلی اور خارجی امور کا انتظام“

اسی طرح ”اخوان الصفا“ کتاب کے حوالے سے سیاست کے کئی بُعد بتائے جاتے ہیں ۔ اقتصادی سیاست ، سیاست مدن اور جسمانی سیاست جو بدن کو قوت بخشنے اور اس کی حفاظت کرنے کے علاوہ اسے توازن اور حد اعتدال سے خارج ہونے سے روکتی ہے ۔ ”اخلاق ناصری“ کتاب سے نقل کیا گیا ہے کہ سیاست فاضلہ کو امامت کہتے ہیں ۔ اور اس سے مراد تکمیل خلق ہے جو سعادت کے حصول کے لئے ضروری اور لازمی ہے ۔ علمی اور عقلی مباحث میں حکماء و فلاسفہ نے حکمت کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے ۔

حکمت نظری:

اس علم کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ عقل انسانی اپنی قدرت و توانائی کے مطابق جو موجودات کے حقیقی حالات کے بارے میں معلوم رکھتی ہو۔

حکمت عملی :

جس کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے ۔

(۱) اخلاق یعنی خود سازی (۲) تدبیر منزل یعنی گھریلو امور کی تنظیم (۳) سیاست مدن یعنی شہری اور ملکی پیمانے پر تشکیل حکومت تاکہ انسانی اجتماع کے مسائل و مشکلات کو حل کیا جائے ۔
مذکورہ مفہیم اور آج کی دنیا میں رائج سیاست اور سیاسی رہنماؤں کی منطق کے درمیان مکمل تضاد ہے ، اس لئے کہ ان لوگوں نے عوامی مصلحت ، ترقی اور سرحدوں کی حفاظت کے بجائے اپنی سیاست کی بنیاد ، مکاری ، قتل و غارت گری ، جاہ طلبی ، ریاست اور وسعت طلبی ، نیز محروموں کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑنے پر رکھی ہے۔ یہ عوام دشمن غریبوں کو موت کے حوالے کرنے ، انہیں علمی ، فنی اور فکری افلاس کے حوالے کرنے کو نصب العین بنائے ہوئے ہیں ۔ ظاہر ہے اس سیاست کی دین، ضمیر اور عقل میں کوئی گنجائش نہیں ۔
اب تک سیاست کے مختلف معنی جو ہم ذکر کرتے چلے آئے ہیں اور جن معنوں پر مصلح اور دانشور افراد غور و فکر کرتے رہے ہیں ، وہ انسان کی ضروریات زندگی سے وابستہ ہیں اور بے شک اسلام اور دوسرے ادیان نے اس کی نسبت خاص اہتمام کیا ہے اور کبھی اس پر غور و فکر کرنے سے منع نہیں کیا ہے ۔
اگر محض قرآنی نقطہ نظر سے انبیاء علیہم السلام کی سیرت کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ

انسانوں کے حقیقی اور سچے رہنما اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں (ع) نے عوامی معاملات کی بھلائی کے لئے کس قدر جانفشانی کی ہے ، خاص طور پر سیاست ، رہبری اور اصلاح کے لحاظ سے ان کی خدمات مثالی ، قابل تحسین و قابل عمل و پیروی ہیں ۔

دو طرح کے سر براہ بے جا نہ ہو گا

اگر یہاں ایک خاص نکتے کی طرف توجہ مبذول کرتے چلیں کہ قرآن مجید نے دو طرح کے سر براہوں کا ذکر کیا ہے ۔ الہی رہبر اور شیطانی سربراہ جو ایک دوسرے کی مخالف جہت میں چلتے رہے ہیں ۔ قرآن میں جہاں بھی ان دونوں طرح کے سربراہوں کا ذکر ہوا ہے وہاں ان کے حکمرانی کے طریقوں کی بھی وضاحت کی گئی ہے ، بعنوان مثال :

۱۔ سلیمان (ع) اور بلقیس کے سلسلے میں یوں بیان ہوا ہے :

” قالت ان الملوک اذا دخلوا قرية افسد و ها وجعلوا اعزة اهلها اذلة و کذلک یفعلون “ (۱)

اس نے کہا کہ بادشاہ جب کسی علاقہ میں داخل ہوتے ہیں تو بستی کو ویران کردیتے ہیں اور صاحبان عزت کو ذلیل کردیتے ہیں اور ان کا یہی طریقہ کار ہوتا ہے ۔

اگر چہ یہ آیت بلقیس کی ترجمانی کر رہی ہے ، لیکن اس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے کہ قرآن مجید جب کبھی کسی بات کو درج کر کے رد نہیں کرتا تو اس کا حکم دستخط اور تصدیق کے برابر ہے ۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ بادشاہ بنیادی طور پر اسی طرح کے ہوتے ہیں، یعنی مفسد ، تباہ کار ، گمراہ کن اور غاصب ۔

۲۔ حضرت موسیٰ (ع) اور حضرت خضر (ع) سے متعلق کشتی کا واقعہ بیان ہوا ہے ۔ وہاں حسب ذیل آیت ہے :

” ام السفینة فکانت لمساکین یعملون فی البحر فأردت ان اعیبها و کان و راء هم ملک یاخذ کل سفينة غصبا “

جہاں تک اس کشتی کی بات ہے تو اس کا تعلق ان غریب افراد سے تھا جو دریا میں کام کرتے تھے ۔ میں نے اس کشتی میں سوراخ اس لئے کرنا چاہا تھا ، کہ ان پر ایک ایسے بادشاہ کا تسلط تھا جو کشتیوں کو ہتھیا لیتا تھا ۔

قرآن میں مسرفین ، مستکبرین ، مفسدین اور مترفین جیسی تعبیری طاغوتوں اور صاحب مال و قدرت سربراہوں کے لئے بارہا استعمال ہوئی ہیں ۔

حقیقی سر براہوں کی خصوصیات

قرآن میں ایسے واقعات بھی ہیں جن میں ایسے سر براہوں کا ذکر ہے جنہوں نے عوام کی مصلحت کو مد نظر

رکھتے ہوئے صحیح اقدامات کئے ہیں۔

ایک واقعہ تو وہی ہے جب بنی اسرائیل نے اپنے ایک نبی سے درخواست کی تھی کہ انہیں ایک ایسا فرما نروا اور سر براہ دیا جائے جو ان کو ساتھ لے کر دشمن سے مقابلہ کر سکے :

” وقال لهم نبيهم ان الله قد بعث لكم طالوت ملكا قالوا انى يكون له الملك علينا ونحن احق بالملك منه و لم يؤت سعة من المال قال ان الله اصطفه عليكم و زاده بسطة فى العلم و الجسم و الله يؤتى ملكه من يشاء و الله واسع عليم “ (۲)

” ان کے پیغمبر نے کہا اللہ نے تمہارے لئے طالوت کو حاکم مقرر کیا ہے ۔ ان لوگوں نے کہا کہ یہ کس طرح حکومت کریں گے ان کے پاس تو مال کی فراوانی نہیں ہے ان سے زیادہ تو ہمیں حقدار حکومت ہیں ۔ نبی نے جواب دیا کہ انہیں اللہ نے تمہارے لئے منتخب کیا ہے اور علم و جسم میں وسعت عطا فرمائی ہے اور اللہ جسے چاہتا ہے اپنا ملک دے دیتا ہے کہ وہ صاحب وسعت بھی ہے اور صاحب علم بھی ہے ۔ یہ آیت ان افراد کے افکار و خیالات کی تردید کرتی ہے جو سربراہی کے لئے مال و ثروت کو ضروری سمجھتے ہیں اور ایک ایسے معیار سے آشنا کراتی ہے جو کسی فرد کی حاکمانہ لیاقت و قابلیت کا ثبوت فراہم کرتا ہو ، یہاں علم و قدرت کو استحقاق فرمانروائی کا معیار قرار دیا گیا ہے ۔

اس آیہ مبارکہ میں ایک بہت لطیف نکتہ یہ ہے کہ جو سربراہی قابلیت اور صلاحیت کی بنیادوں پر مستحکم ہوتی ہے وہ الطاف باری تعالیٰ سے سرشار ہوتی ہے اور خداوند کریم سوائے ان لوگوں کے جو اہلیت رکھتے ہیں ہر کس و ناکس کو اس عطیہ سے نہیں نوازتا ، اس لئے کہ یہ عطیہ وہی مالکیت مالک الملک ہے جو لائق و شایستہ سربراہ کی ملکیت میں دیا جاتا ہے ورنہ انسان کو حق نہیں ہے کہ وہ علم ، قدرت اور اپنی سربراہی پر ناز کرے ، اس لئے کہ قدرت اور علم در حقیقت ابتداء خداوند کریم کے لئے ہے پھر کہیں انسان تک اس کی رسائی ہوتی ہے ۔

” قل اللهم مالك الملك توتى الملك من تشاء و تنزع الملك ممن تشاء و تعز من تشاء و تذلل من تشاء بيدك الخير انك على كل شئ قدير “ (۳)

پیغمبر آپ کہئے کہ خدا یا تو صاحب اقتدار ہے جس کو چاہتا ہے اقتدار دیدیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے سلب کرلیتا ہے ۔ جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلیل کرتا ہے ۔ سارا خیر تیر ے ہاتھ میں ہے اور ہی ہر شہ پر قادر ہے ۔

سورہ بنی اسرائیل میں طالوت و جالوت کے درمیان جنگ کے واقعات اس طرح بیان کئے گئے ہیں :

” فهزموهم باذن الله و قتل داود جالوت و اتاه الله الملك و الحكمة و علمه مما يشاء “ (۴)

نتیجہ یہ ہوا کہ ان لوگوں نے جالوت کے لشکر کو خدا کے حکم سے شکست دیدی اور داؤد نے جالوت کو قتل کردیا اور اللہ نے انہیں ملک اور حکمت عطاکردی اور اپنے علم سے جس قدر چاہا دیدیا ۔

اسی طرح یہ آیت حکومت کے اقتدار و مدارج کے ساتھ ساتھ علم اور حکمت پر زور دیتے ہوئے ذمہ داریوں میں سے ایک ایسی ذمہ داری کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے جو الہی سربراہوں کے ذمے ہوتی ہے ، مثلاً دشمنان خدا سے مقابلہ کرنا اس بحث کو حکومت کے سیاسی مسائل اور فرائض کے ضمن میں بیان ہونا چاہئے ۔ قرآن کریم میں ایسے پیغمبروں کے نام بھی درج ہیں جو مقام نبوت کے علاوہ معاشرتی ثقافت و سیاست کے فرائض بھی انجام دیتے تھے ، ان میں سے پیغمبر داؤد ، سلیمان ، یوسف اور ذو القرنین علیہم السلام کے نام قابل ذکر ہیں۔

آیا حضرت آدم (ع) کی خلافت و حکومت میں علم و امانت کے سوا اور کوئی دوسرا محور تھا ؟

” و علم آدم الاسماء كلها “ ” انا عرضنا الامانة..... وحملها الانسان “

جو شخص ان دونوں صفتوں سے محروم رہا وہ یقینی طور پر ” ظلوم و جہول “ یعنی نادان و ستمگر ٹھہرا ۔ انسانیت پر اب تک جتنے مصائب گذرے ہیں و ہ سب انہیں نادان ا ور ستمگر افراد کے ہاتھوں گذرے ہیجئہوں نے خلافت کی امانت غصب کر کے انسانی زندگی کے نظام کو تباہی کے حوالے کر رکھا ہے ۔

۴۔ ”ویسٹلونک عن ذی القرنین قل سأتلوا علیکم منہ ذکر ا انا مکنا له فی الارض و آتیناہ من کل شئی سببا “(۸) اے پیغمبر یہ لوگ آپ سے ذوالقرنین کے بارے میں سوال کرتے ہیں تو آپ کھدیجئے کہ میں عنقریب تمہارے سامنے انکا تذکرہ پڑھ کر سنادوں گا ۔ ہم نے ان کو زمین میں اقتدار دیا اور ہر شئی کا سازو سامان عطا کر دیا ۔ اس کے بعد محروم طبقوں کو نجات دلانے کے لئے ان کے مشرق و مغرب کے سفر کا ذکر ہوتا ہے ۔ یا جوج و ماجوج کے ظلم و ستم اور فساد کو روکنے اور مستضعفین اور محرومین کو شکنجے سے نجات دلانے کے لئے اسکندر نے دونوں طبقوں کے درمیان ایک دفاعی دیوار بنانے کے لئے کچھ اقدامات کئے تھے ، اس کی مزید تفصیل قرآن مجید ا ور تفسیروں میں تلاش کرنا چاہئے ، بنیادی نکتہ یہ ہے کہ خدا وند کریم کی جانب سے مبعوث ہونے والے اس سربراہ اور انصاف پسند حکمران نے (اسکندر نام کا ایک باندہ) قائم کیا تاکہ محروموں پر حملہ آور دشمن کے حملوں میں رکاوٹ ڈال سکے اور اس قابل تعریف اقدام کو اس طرح انجام دیا جس طرح سے ایک الہی سیاست کا ر اور زمامدار کو انجام دینا چاہئے ۔ (سورہ کہف کی ۸۳ سے لیکر ۹۸ آیت تک ملاحظہ ہو) بیان کردہ واقعات و حقائق ثابت کرتے ہیں کہ تاریخ کے طویل عرصے میں ایسے پیغمبر اور مردان حق گذرے ہیں جنہوں نے ملک اور عوام کی باگ ڈور سنبھالنے کے ساتھ ساتھ عوام کی راہنمائی اور سیاست کے فرائض بھی معیاری طریقے پر انجام دیے ہیں ، اور جس راہ پر سیاسی کارکنوں کو چلنا اور جن اغراض و مقاصد کو پورا کرنا چاہئے ان کی نشاندہی بھی انہوں نے اس طرح سے کی ہے کہ دوسروں کے لئے بطور نمونہ باقی رہیں ۔

اس باب کی اصولی بحثیں

- ۱۔ قرآن میں حکومت اور قانونی حکمران (حاکم شرع) کی بنیاد
- ۲۔ قرآنی نقطہ نظر سے سیاسی نظام کے مقاصد و نتائج
- ۳۔ قرآن میں سیاسی نظام کے ارکان
- ۴۔ قرآنی نقطہ نظر سے طرز حکومت

تتمہ :

سیاسی رجحانات کے سامنے عوام اور مذہبی رہنماؤں کی ذمہ داری

نص قرآن کے مطابق مطلق اور کلی حاکمیت صرف خالق کائنات کو حاصل ہے کائناتی مطالعے ، آئیڈیا لوجی اور اعتقاد کا نتیجہ یہی ہے ۔ یہی عقیدہ پورے نظام کی اساس ہے۔ چونکہ ایک وجود مطلق ہی پوری کائنات کا فرمانروائے حکیم و عادل وقادر و سرمدی ہے لہذا ظاہر ہے کہ انسانی سر نوشت بھی اسی نظام کائنات کا ایک حصہ ہے ۔ اسی فلسفے سے یہ نتیجہ بھی حاصل ہوتا ہے کہ اولاً وبالذات اللہ حاکم ہے اور اس کے بعد ہر انسان خلیفہ ، نمایندہ اور رضائے خدا یا احکام خدا کا نافذ کرنے والا ہے ۔ اس فلسفے کے لئے قرآن کی درج ذیل آیتیں تائید و راہنمائی کرتی ہیں :

” ان الحکم الا للہ امر الا تعبد و الا اياه “ (۹)

جب کہ حکم کرنے کا حق صرف خدا کو ہے اور اسی نے حکم دیا ہے کہ اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کی جائے ۔

” فالحکم للہ العلیٰ الکبیر “ (۱۰) فیصلہ صرف خدا نے بلند و بزرگ کے ہاتھ میں ہے ۔

” و من احسن من اللہ حکما لقوم یوقنون “ (۱۱) جب کہ صاحبان یقین کے لئے اللہ کے فیصلہ سے بہتر کسی کا فیصلہ ہو سکتا ہے ۔

” ان الحکم الا للہ یقض الحق و هو خیر الفاصلین “ (۱۲) حکم صرف اللہ کے اختیار میں ہے وہی حق کو بیان کرتا ہے اور وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے ۔

متعدد آیات کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی فرمانروائی انسانی فرمانروائی کی طرح نہیں ہے ، جو طاقت اور سطوت کے بل بوتے پر حاصل ہوتی ہے ، بلکہ ان اشاروں کے سہارے جو آیات میں موجود ہیں اسکی فرمانروائی کا راز جبروت ، استغنا ، قدرت ، علم ، حکمت ، ربوبیت ، عدل و انصاف اور اللہ کے دیگر صفات جمالیہ و جلالیہ میں تلاش کرنا چاہئے ۔ اس طرح سے اگر خداوند عالم حاکمیت اور فرمانروائی اپنے بندوں کو عطا کرتا ہے تو محض اس لئے کہ وہ بھی اس کی حکمت کے تابع اور اسی کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں۔ پیغمبر اکرم کی فرمانروائی کے سلسلے میں ارشاد ہوتا ہے :

” فلا و ربک لا یؤمنون حتیٰ یحکموک فیما شجربینہم ثم لا یجدوا فی انفسہم حرجا مما قضیت و یسلموا تسلیماً “ (۱۳)

پس آپ کے پروردگار کی قسم یہ ہرگز صاحب ایمان نہ بن سکیں گے جب تک آپکو اپنے اختلافات میں حکم نہ بنائیں اور پھر جب آپ فیصلہ کردیں تو اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی کا احساس نہ کریں اور آپکے فیصلہ کے سامنے سراپا تسلیم ہو جائیں ۔

” و ان حکمت فاحکم بینہم بالقسط ان اللہ یحب المقسطین “ (۱۴) اور اگر فیصلہ کرو تو ان کے ما بین انصاف سے فیصلہ کرو ۔ بے شک اللہ منصفوں کو دوست رکھتا ہے ۔

اس سلسلے میں اور بھی بہت سی آیات ہیں ۔

حق اور انصاف کے ساتھ فرمانروائی کا حکم اللہ نے محض اپنے پیغمبروں تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ تمام مومنوں پر بھی یہ حکم نافذ ہوتا ہے کہ جب کبھی کوئی فیصلہ کریں تو حق اور انصاف کا پورا پورا خیال رکھیں اور اس کے پابند رہیں ۔

” ان الله يامرکم ان تودوا الامانات الى اهلها و اذا حکمتم بين الناس ان تحکموا با عدل ان الله نعمًا يعظکم به ان الله کان سمیعًا بصیرا “ (١٥)

” بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو ان کے اہل تک پہنچا دو اور جب کوئی فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ کرو اللہ تمہیں بہترین نصیحت کرتا ہے بیشک اللہ سمیع بھی ہے اور بصیر بھی ۔

آیت کے دو حصے ہیں ۔ ” **ان الله يامرکم واذا حکمتکم۔** “ ان دونوں حصوں میں اگر واو کو قرینہ مانا جائے تو امانت سے مراد امامت ، حکومت اور عدالت ہے لیکن اگر امانت کو کلی بھی مان لیا جائے تو اس میں ہر قسم کی امانتیں شامل ہوں گی اور اگر اس بحث میں نہ بھی پڑیں تب بھی ماننا پڑے گا کہ امامت و حکومت تمام انواع امانت میں نمایاں ترین امانت ہے اور یقینی طور پر آیت سے یہی حکم ملتا ہے کہ یہ امانت یعنی حکومت ، اہل افراد کے حوالے کی جائے ، کیونکہ اگر ایک نا چیز مادی شئی کو امانت کا نام دیکر اہل کے حوالے کرنا فرض ہے تو حکومت وقضا ، سیاست و تدبیر معاشرہ ، امانت کا برتر و بہتر مصداق کیوں نہ اہل کے سپرد ہو ؟ چنانچہ تفاسیر میں ” امانت “ کو امامت و زعامت سے تعبیر کیا گیا ہے اور ” انا عرضنا الامانة “ میں امانت سے متعلق واضح ترین تفسیر یہی ہے ائمہ اہل بیت (ع) کی روایات اس کی طرف رہنمائی کرتی ہیں ۔

بہر حال یہ دیکھا جائے کہ اس امانت کا اہل کون ہے ؟ کیا ظلم و جہول افراد ہیں ” جو ” لا ینال عہد ی
الظالمین“ کے مصداق ہیں ؟ یا صالح ، مومن ، بے لوث اور عالم و متقی افراد ہیں ؟ ظاہر ہے کہ دوسرا جواب
صحیح ہے ۔

بہر حال ، خداوند کریم نے مومنوں کو امانت کی نمایاں قسم امامت و سیاست کو ان اہل افراد کے سپرد کرنے کا حکم دیا ہے جو خلافت الہی کی صلاحیت اور پیغمبروں کی نیابت رکھتے ہوئے امة مسلمہ کی قیادت اور اسلامی قدروں کی حفاظت کر سکتے ہوں ، صرف یہی نہیں ” حکم بین الناس “ کے سلسلے میں بھی لوگوں کو یہ ہدایت کی گئی ہوا ہے کہ انصاف کا دامن نہ چھوڑیں ، اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی بہترین نصیحت ہے ۔

ولایت

جس طرح سے لفظ ”حکم“ کا تعلق ابتداءً اللہ سے پھر اس کے بندوں سے ہے اسی طرح لفظ ”ولایت“ جو سرپرستی اور سربراہی کے معنی رکھتا ہے ، پہلے اللہ پھر پیغمبر اور اولی الامر سے تعلق رکھتا ہے ۔

” انما ولیکم اللہ و رسولہ و الذین آمنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ و یؤتون الزکوٰۃ و ہم راکعون “ (۱۶)

ایمان والوں بس تمہارا ولی اللہ ہے اور اس کا رسول اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں ، نماز پڑھتے اور حالت رکوع میں زکات دیتے ہیں ۔

”النبي اولى بالمومنين من انفسهم“ (١٤)

”بیشک نبی تمام مومنین کی جانوپیر خود ان سے زیادہ اختیار رکھنے والا ہے۔“

”یا ایہا الذین آمنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم“ (۱۸) اے ایمان لانے والو! اللہ، رسول اور ان والیان امر کی اطاعت کرو جو تم میں سے ہیں۔“

والیان امر کون ہیں؟ مسلمانوں کے مسائل حل کرنے کی صلاحیت کون رکھتا ہے؟ آیا مسند حکومت پر ہر

بیٹھنے والے شخص کی اطاعت واجب ہے ؟

نعوذ باللہ ، ایسا ہرگز نہیں ہے کیا قرآن یہ نہیں کہتا ؟ ” و لا تطيعوا امر المسرفين الذين يفسدون في الارض و لا يصلحون “ (۱۹)

اور ان زیادتی (اسراف) کرنے والوں کی جو زمین پر فساد کرتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے اطاعت نہ کرو ۔
قرآن کریم ان لوگوں کی مذمت کرتا ہے جو اللہ کے پیغمبروں سے بے رخی اختیار کرتے اور ظالم و جابر افراد کے نقش قدم پر گامزن رہتے ہیں ۔

” و عصوا رسله و اتبعوا امر کل جبار عنید “ (۲۰) ” یہ قوم عاد کے افراد ہیجوا اس کے رسولوں کی نافرمانی کیا کرتے تھے اور ہر کینہ ور ظالم کے فرمان کی تعمیل کرتے تھے “ ۔

اسی طرح فرعون کے بارے میں ارشاد ہے:

” وما امر فرعون برشید “ (۲۱) ” فرعون کا حکم صحیح نہ تھا “ ۔

ولایت اور امر کے متعلق جو آیتیں پیش کی گئیں ان پر غور و فکر کرنے سے یہ نتیجہ عائد ہوتا ہے کہ ظالم و جابرادر بے صلاحیت حکام جو ضدی ، مسرف ، غاصب، ظالم اور عقل و علم کے دشمن ہیں ہرگز ” اولی الامر “ کا مصداق نہیں ہو سکتے ۔

” اولی الامر “ کا اطلاق ان رہبروں پر ہوتا ہے جو صالح ، عالم اور منصف ہوں ، پہلے مرحلے میں اولی الامر سے مراد اگر پیغمبر کے ذریعے منتخب افراد ہیں تو دوسرے مرحلے میں اس سے مراد وہ افراد ہیں جو علم ، زہد و تقویٰ ، عصمت اور عدل و انصاف کے لحاظ سے تمام انسانوں پر برتری رکھتے ہو ۔

یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو تھوڑی سمجھ بوجھ رکھنے والا بھی آسانی سے سمجھ سکتا ہے ،۔ اگر کوئی شخص اس تعریف کے باجود ” اولی الامر “ جیسی مقدس اصطلاح کو ظالم و جابر افراد کے لئے استعمال کر کے انہیں اللہ و رسول کی صف میں کھڑا کرے تو تعجب کا مقام ہے، لہذا اسلامی معاشرے کو سیاست کرنے کی ذمہ داری ، اسی شخص کو زیب دیتی ہے جو صراط مستقیم پر ایمان رکھتا ہو اور انبیاء و رسل کی راہ پر چلتا اور برحق اماموں کے مشن کی توسیع و تبلیغ کرتا ہو ۔

امامت

قرآن مجید میں اصطلاح (امام) کا ذکر متعدد آیات میں ہوا ہے ، بعض جگہوں پر اسے انسانی ارتقاء کے بلند ترین مقام سے تعبیر کیا گیا ہے کہ نبوت و رسالت کے مقام سے بھی بالا و برتر ہے ، بعنوان مثال درج ذیل آیت ملاحظہ ہو :

” و اذابتلی ابراہم ربہ بکلمات فاتمہن ، قال انی جاعلک للناس اماما ، قال و من ذریتی قال لا ینال عہدی

الظالمین “ (۲۲) ” اور (اس وقت کو یاد کرو) جبکہ ابراہیم (ع) کا اس کے رب نے چند کلمات سے امتحان لیا اور ابراہیم (ع) نے اس کو پورا کر دیا ، (خدا نے) فرمایا کہ میں تم کو تمام انسانوں کا امام مقرر کرنے والا ہوں ، (ابراہیم نے) عرض کی ، اور میری اولاد میں سے ، (خدا نے) فرمایا جو ظالم ہوں گے ان تک میرا عہدہ نہیں پہونچے گا ۔

اگر چہ یہ آیت نفوس و قلوب کے اس معنوی مقام و منزل کی نشاندہی کرتی ہے جس کا تعلق عالم ملکوت اور

ولایت تکوینی تک محدود ہے اور اس سے ہٹ کر عام چیزوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے لیکن اس لفظ کے عام مفہوم اور آیت کے آخری حصے کو مد نظر رکھنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ظالم افراد قیادت و امامت کے لائق نہیں ہیں۔ لفظ ظلم کی ضد یعنی عدالت، امامت و رہبری کے لئے بنیادی شرط ہے لیکن جن آیات میں لفظ امام استعمال ہوا ہے (اس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے کہ امام کے معنی رہبر و پیشوا اور مقدم کے ہیں) اگر ان پر سرسری نظر ڈالی جائے تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ رہبر و پیشوا دو قسم کے ہیں جو ہمیشہ سے انسانوں کو الگ اور متضاد سمتوں میں لے جاتے رہے ہیں۔

بعنوان مثال لائق اور برحق اماموں کی بابت یوں بیان ہوا ہے :

”و جعلنا ہم ائمة یهدون بامرنا و اوحینا الیہم فعل الخیرات و اقام الصلوٰۃ و ایتاء الزکوٰۃ و کانوا لنا عابدین“ (۲۳)

”اور ان کو ہم نے ایسا امام بنایا جو ہمارے حکم کے بمطابق ہدایت کرتے ہیں اور ان کی طرف ہم نے نیکیاں کرنے، نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کی وحی کی اور وہ سب کے سب ہماری بندگی کرنے والے تھے“۔ اگرچہ مذکورہ آیت پیغمبروں اور ان کے بار رسالت و ہدایت کے بارے میں نشاندہی کرتی ہے، لیکن اس کے باوجود انسان کی راہنمائی اور قیادت کو محض پیغمبروں ہی تک محدود نہ کرنا چاہئے اور نہ ہی ان کے دائمی وجود کی کوئی شرط ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ بہر حال پیغمبروں کی زندگی کا دور بھی اختتام پذیر ہے۔ اگر یہ طے پائے کہ تا قیامت انسانوں کی راہنمائی الہی شریعت کا جذبہ ہی کرتا رہے جو کر رہا ہے، تو اس جذبے اور اس کے اثرات کو شریعت کے دوسرے ابعاد کی طرح جاری و ساری رہنا چاہئے۔ لہذا فکری، دینی، سماجی اور سیاسی قیادت و رہبری انہیں لوگوں کو زیب دیتی ہے جن کی خصوصیات مذکورہ آیت میں بیان کردہ خصوصیات کے مطابق ہوں، یعنی خالص بندگی خدا، پابندی نماز و روزہ اور محرومین و مستضعفین کی مدد کا جذبہ ان میں پایا جاتا ہو۔ اسی ضمن میں دوسری آیتوں میں بیان شدہ خصوصیات (علم، عدل، پرہیزگاری اور انسان دوستی) کا حامل بھی ہونا چاہئے۔

یہ مختصر بیان انسانوں کے سچے اور حقیقی رہنماؤں کے سلسلے میں تھا۔ گمراہ اور لیاقت سے عاری رہنماؤں کے بارے میں بھی قرآن ایک اہم نکتہ بیان کرتا ہے :

”و جعلنا ہم ائمة یدعون الی النار و یوم القیامة لا ینصرون“ ”ہم نے ان کو ایسا امام بنایا ہے جو جہنم کی طرف دعوت دیتے ہیں اور روز قیامت ایسے لوگوں کا کوئی مددگار نہ ہوگا“۔

یہ آیت اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ مصر میں حکومت، فرعون اور آل فرعون کے پاس تھی جو لوگوں کو جہنم کی آگ کی طرف لے جا رہے تھے جس سے نجات پانا مشکل ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ تاریکی و ظلمت کے دلال بننے، دوزخ کا بیج بونے اور لوگوں کو دنیا و آخرت سے محروم کرنے کے سوا ظلم و جور کے سر براہوں کا پیشہ اور کچہ نہیں رہا ہے۔ ان کی ہزاروں سال پر مشتمل حکومت کا نتیجہ بھی تھا کہ انہوں نے ہمیشہ جنگ کی آگ کو بھڑکایا اور ظلم و جور کا سہارا لیکر خود اپنے اور دوسروں کے لئے آخرت کی آگ فراہم کی۔

اس قسم کی سیاست و رہبری کے مد مقابل لوگوں کے فرائض کیا ہیں ؟

اس کا جواب کسی دوسرے موقعہ پر بیان کیا جائے گا۔ فی الحال اسی سلسلے میں قرآن کریم کی ایک آیت مندرجہ ذیل ہے :

”فقاتلوا ائمة الکفر انہم لا ایمان لہم“ (۲۴) ”سرداران کفر کو یہاں تک مارو کہ وہ باز آجائیں۔ بے شک وہ ایسے

ہیں جن کی قسم کوئی حیثیت نہیں رکھتی ۔

فتنہ و فساد کے اختتام اور الہی حکومت کے مستقر ہونے تک کفر و استکبار کے خلاف جنگ (وقاتلوہم حتی لا تکون فتنۃ و یکون الدین للہ) (۲۵)

اسلامی سیاست کا وہ جز ہے ، جسے فوجی سیاست یا اصولِ دفاع کا نام دیا جا سکتا ہے یہ بحث کافی طویل ہے اور اس مختصر مقالے میں بحث کی گنجائش نہیں ۔

قرآنی نقطہ نظر سے سیاسی نظام کے بنیادی مقاصد و نتائج

کسی حکومت یا سیاسی نظام کی تشکیل اور اسے قانونی درجہ حاصل ہونے کے ہدف کو نظام خلقت اور کائنات کے سارے نظام سے علیحدہ نہیں سمجھا جا سکتا ۔ انسانی زندگی سے وابستہ تمام مسائل کے ساتھ ساتھ ہم حکومت کے مقاصد کا تعین بھی کر سکتے ہیں ۔

جس حکومت کی بنیاد مادیت یا اس کے نتائج پر مبنی ہو ، اس کے اغراض و مقاصد استکبار ، تسلط ، جاہ طلبی ، ہوا و ہوس اور زیادہ سے زیادہ عیش و عشرت کے سوا اور کچھ نہیں ہوتے ۔ قرآن کریم فرعون کی حکومت اور اس کی سیاست کے متعلق حسب ذیل وضاحت پیش کرتا ہے :

” ان فرعون علافی الارض و جعل اہلہا شیعا ً یستضعف طائفۃ منہم یدبح ابناء ً ہم یستحی نساء ً ہم انہ کان من المفسدین “ (۲۶)

فرعون نے روئے زمین پر بلندی اختیار کی اور اس نے اہل زمین کو مختلف حصوں میں تقسیم کر دیا کہ ایک گروہ نے دوسرے گروہ کو بالکل کمزور بنادیا ۔

فرعونی سیاست کے اصول

۱۔ تکبر و غرور ، جو اپنی ذات کو مرکز سمجھنے کا نتیجہ اور جس کی غرض جاہ طلبی کی خواہش کو پورا کرنا ہے ۔

۲۔ جس امت میں اتحاد کی تاکید کی گئی تھی اس کے اتحاد کو ختم کرنا فرعونی سیاست کا نصب العین ہے ۔

۳۔ مستکبر اور صاحب جاہ و جلال افراد کی عیش و عشرت اور آرام کی خاطر ان محروموں اور مستضعفوں کو غلام بنا نا جن کی زندگی فرعون کے ہاتھ میں تھی ۔

۴۔ لڑکوں کو اس خوف کی وجہ سے قتل کرنا کہ کسی دن یہ بغاوت نہ کردیں ۔

۵۔ لڑکیوں کی عزت و آبرو سے کھیلنا ۔

۶۔ ہر طرح کے سیاسی ، فکری ، اعتقادی ، اقتصادی ، اخلاقی ، فردی اور سماجی انحطاط اور فساد کو فروغ دینا ۔
مذکورہ چہ نکاتی اصولوں کو ان ظالم و جابر حکمرانوں کی اسٹرائیجک سیاست کا نچوڑ سمجھا جا سکتا ہے ، جو ماضی سے لیکر آج تک انسانوں پر حکومت کرتے چلے آئے ہیں ۔ انسانی تہذیب و تمدن ، آبادی اور ملکوں کے وسیع ہونے کے نتیجہ میں ان کی ظالمانہ سیاست دن بدن رنگ لاتی رہی ، یہاں تک کہ آج کی سیاست فرعونوں کے زمانے سے کہیں زیادہ تباہ کن اور افسوسناک صورتحال اختیار کر چکی ہے ۔ اس موضوع پر یہ ایک آیت ہردور کی فرعونی سیاست کے رویے اور اس کے مقاصد و نتائج کی فہرست مرتب کرنے کے لئے کافی ہے ۔

خلافت الہی ، وراثت زمین اور امامت مستضعفین

قرآن مجید میں حکمت الہیہ کی بنیادوں پر حکومت کے اغراض و مقاصد اور اسکے مطلوبہ نتائج اسطرح بیان کیے گئے ہیں :

”و نريد ان نمّن علی الذین استضعفوا فی الارض و نجعلهم ائمة و نجعلهم الوارثین“ (۲۷)

اور ہم یہ ارادہ رکھتے ہیں کہ ان لوگوں پر جو اس سر زمین میں کمزور کر دیے گئے ہیں احسان کریں اور ان کولوگوں کا پیشوا بنائیں اور ان کو زمین کا وارث قرار دیں ۔ اس سے قبل آیت میں فرعون اور اس کے ساتھیوں کی سیاست بیان ہوئی ہے اور یہ آیت حضرت موسیٰ (ع) کا مقصد بعثت بیان کر رہی ہے ۔ حضرت موسیٰ (ع) اس لئے مبعوث ہوئے کہ فرعون اور اس کے ساتھیوں کی حکومت ختم کر کے مستضعفین کو اس کے ظلم و ستم سے نجات دلائیں اور اس سر زمین کے اصلی مالکوں کو ان کا حق دلائیں ۔ مستقبل کے لئے صاحب اختیار امام و رہبر کا انتخاب کریں اور بنی اسرائیل کے مظلوم عوام کے طبقے سے نکلنے والے رہنما کے ذریعے خدا کے پیام اور الہی فلسفے کی حفاظت کریں ۔ حضرت موسیٰ (ع) کی رسالت کا تقاضا یہی تھا ۔

اس آیت کو حضرت موسیٰ (ع) اور بنی اسرائیل ہی تک محدود نہیں سمجھنا چاہئے ۔ اس لئے کہ فعل (نريد ان نمّن) صیغہ مضارع میں استعمال ہوا ہے جو استمرار پر دلالت کرتا ہے ، یعنی خداوند کریم کا ارادہ ہمیشہ سے یہی رہا ہے کہ وہ انسانوں کی امامت و رہبری اور زمین کی وراثت ، ظالم و غاصب افراد سے چھین کر ان لوگوں کے سپرد فرماتا ہے جو نیک اور صالح ہوں ، یہ سیاست الہیہ دنیا کے قائم رہنے تک جاری ہے اور اس کی مکمل کامیابی اسی وقت ہو گی جب دنیا میں مستبد اور مستکبروں کے آثار باقی نہ رہیں اور زمین پر امامت ، امت مسلمہ کے نیک افراد اور الہی ولاء رکھبروں کے سپرد ہو جائے ، یہ قرآن مجید اور پیغمبر اکرم کی بیان کی ہوئی وہی خوشخبری ہے جس کے مسلمان منتظر ہیں اور جس کو عملی جامہ پہنانے کی انہیں کوشش کرنا چاہئے ۔

عدل اور اس کے نفاذ کی ضمانت

”لقد ارسلنا رسلنا بالبينات ان الله قوى عزيز“ (۲۸) ”بے شک ہم نے اپنے رسولوں کو کھلی دلیلوں کے

ساتھ بھیجا اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کیا تاکہ لوگ عدالت پر قائم ہو جائیں اور ہم نے (خاص) لوہا نازل کیا جس میں سخت خوف (بھی) ہے اور لوگوں کے لئے منافع (بھی) اور اس لئے تاکہ اللہ یہ جان لے کہ اس کی اور اس کے رسولوں کی بغیر دیکھے کون مدد کرتا ہے ، بے شک اللہ صاحب قوت و غلبہ اور عزیز ہے ۔“

یہ آیت انبیا کی بعثت کا اصل مقصد واضح کرنے کے علاوہ ہمیں چند اصول اور بتاتی ہے مثلاً :
(الف) تمام پیغمبر عدل و مساوات قائم کرنے کے ذمہ دار ہیں اور یہ کام معاشرے کی باگ ڈور سنبھالے بغیر ممکن نہیں ۔ لہذا ملک و ملت کی تدبیر اور سیاست کی ذمہ داری پیغمبروں کا اولین فرض ہے ۔
(ب) اس ہدف کا عملی ہونا اس قانون کی بنیاد پر ہے جو آسمان سے انسانوں کے لئے نازل ہوا ہے ۔ یعنی وہ قانون جو حق و انصاف اور حکمت کے اصولوں پر قائم ہو اور سیاست مداروں کی افراط و تفریط اور تحریف سے دور ہو ۔

(ج) اگر حکمت و نصیحت کا کوئی اثر نہ ہو اور حملہ آور افراد اسی طرح اپنے حملوں کو جاری رکھیں تو اس لوہے سے بنے ہوئے ہتھیاروں سے انہیں کچل دینا چاہئے تاکہ فتنہ و فساد کا خاتمہ ہو جائے ۔
(د) اس آیت میں جہاں سیاست کے بنیادی اصول ، حکمران ، قانون اور نفاذ کا ذکر ہوا ہے ، وہاں ان کا مبداء غیب اور خالق کائنات سے تعلق کا ذکر بھی موجود ہے ۔ اس طرح عوام کا حکومت سے فکری و اعتقادی تعلق بھی ہونا چاہئے ۔ یہ مرحلہ افراد و معاشرہ انسانی کے لئے آزمائش کا مرحلہ ہے ۔ آیت کا آخری حصہ جو اللہ تعالیٰ کی قدرت و عزت کی نشاندہی کرتا ہے اسی کے ساتھ یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ چونکہ قدرت ، عزت ، مالکیت اور ملوکیت صرف خدا کو زیب دیتی ہے لہذا انسان کسی اور ذریعے سے عزت و طاقت حاصل کرنا چاہے تو وہ ایک غلط اور نا زیبا طریقہ ہے اور وہ تکبر و غرور کا راستہ اختیار کر کے ظالم اور جابر افراد کی طرح مجرم قرار پاتا ہے ۔ جبکہ انبیاء و رسل کی راہ اور الہی سیاست کی روش یہ نہیں ہے ۔

عدل و مساوات قائم کرنے کے بارے میں تاکید اگرچہ انبیاء و رسل کے عام پروگراموں میں شامل رہی ہے لیکن پیغمبر اسلام نے اس پر خاص توجہ فرمائی ہے ۔

قرآن مجید میں ان فرائض کی نشاندہی کی گئی ہے :

”و امرت لا عدل بینکم“ (۲۹) ”مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے ما بین عدل قائم کروں“ ”فاحکم بینہم

بالقسط“ (۳۰) ”لوگوں کے درمیان عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو!“

مومنین سے خطاب ہے:

”کونوا قوامین للہ شهداء بالقسط“ (۳۱) ”خدا کیلئے انصاف کے ساتھ گواہ بننے کیلئے تیار ہو“

عدل و انصاف قائم کرنا الہی حکومت کا مقدس فریضہ ہے اور یہ فریضہ انبیاء، ائمہ علیہم السلام اور امت مسلمہ کی ہر فرد پر عائد ہوتا ہے کہ اپنی طاقت و توانائی کے مطابق اسے پورا کرنے کی جد و جہد کرے ۔ ظلم کا خاتمہ اور ظالموں کو ان کے اصلی ٹھکانے تک پہنچانے میں ذرہ برابر بھی تامل نہیں کرنا چاہئے ۔ ظالموں کا ٹھکانا جہنم ہے ۔

”و اما القاسطون فکانوا لجہنم خطبا“ (۳۲) ”اور رہے نا فرمان ، تو وہی جہنم کے کندے بنے ۔“

مکتب فکر اور قیادت کے تحت اتحاد اسلامی

حکومت کے دوسرے مقاصد و فرائض میں امت مسلمہ کے اتحاد کو مستحکم کرنا اور اس کی حفاظت کرنا ہے۔

”کان الناس امة واحدة فبعث الله النبيين مبشرين و منذرين و انزل معهم الكتاب بالحق ليحكم بين الناس فيما اختلفوا فيه و“ (۳۳)

”ابتدا میں سب لوگ ایک ہی حال پر تھے۔ پھر خدا نے خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے انبیاء بھیجے اور ان کے ساتھ ہر حق کتاب نازل کی تاکہ لوگوں کے درمیان جس بارے میں اختلاف ہے اس کا فیصلہ کریں۔“

بشریت کے اتحاد سے اختلاف و انتشار کے خطرے کو دو چیزیں دور کر سکتی ہیں، ایک مکتب فکر اور دوسری قیادت۔ ان دونوں کا ذکر قرآن میں موجود ہے۔ مکتب فکر سے مراد وہ دبستان و اسلوب فکر و عمل ہے جس کا ماخذ قرآن مجید اور وحی الہی ہے۔ اور قیادت سے مراد پیغمبروں اور صالح افراد کی قیادت ہے۔ امت مسلمہ کے درمیان اختلاف پیدا کرنے میں غیر صالح رہبروں کا دخل رہا ہے اور آج بھی امت مسلمہ کو اس افسوسناک المیہ کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ حالانکہ اس وقت ایک ارب مسلمان دنیا میں موجود ہیں اور یہ افراد متحد ہو کر دنیا کے خونخوار دشمنوں کے مقابلے میں ایک عظیم الشان طاقت بن سکتے ہیں۔ یہ امت اپنی ذاتی قوت، اپنی اسٹرائیجک سیاسی و جغرافیائی حیثیت، سونے، تیل کے زیر زمینی ذخائر اور اسلام پر بھروسہ کر کے دنیا کے تمام کاروبار کی باگ دوڑ اپنے ہاتھ میں لے سکتی ہے۔ اس راہ میں ایک مشکل حکمران ہیں جو انسانی معاشرے میں فساد کی جڑ اور ممالک کے لئے کینسر بن چکے ہیں۔ قرآن کے حکم کے مطابق اس طرح کی حکومتوں کی بیخ کنی کرنا چاہئے تاکہ امت متحد ہو کر ایک صالح قیادت کے تحت اپنی منزل مقصود تک رسائی حاصل کر سکے۔ یہ قرآن کی ہدایت ہے۔ ”فقاتلوا ائمة الکفر.....“ (۳۴) ”وقاتلوهم حتی لا تكون فتنة“ (۳۵)۔

ارتقاء انسانیت زندگی کی اصلی غایت

انسان کی ارتقا ہے اور اگر شریعت کی تشریح اور پیغمبروں کی بعثت اسی مقصود کو عملی جامہ پہنا نے کے لئے ہوئی ہے تو یقینی طور پر اس غرض کو پورا کرنے میں حکومت کا کردار نا قابل انکار ہے۔

ملکوں کی تباہی اور انسانوں کی گمراہی زیادہ تر ظالم و جابر حکام کے زیر نگرانی ہوئی ہے اور یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید بار بار ان کا ذکر کرتا ہے۔

”و لقد ارسلنا موسیٰ بآياتنا و سلطان مبين الى فرعون و ملائہ فاتبعوا امر فرعون و ما امر فرعون برشيد ، يقدم قومه يوم القيامة فاوردهم النار و بئس الورد المورود“ (۳۶)

”اور بے شک ہم نے موسیٰ (ع) کو اپنی نشانیں اور کھلی دلیلوں کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا پھر ان سب نے فرعون ہی کے حکم کی تعمیل کی۔ حالانکہ فرعون کا حکم سچائی سے موافق نہ تھا۔

قیامت کے دن فرعون اپنی قوم کے آگے آئے گا اور ان سب کو جہنم میں پہنچا دے گا اور وہ کیسی بری اترنے کی جگہ ہو گی جہاں وہ اتریں گے“

طاغوتی حکام انسانی ارتقا میں رکاوٹ ڈالتے ہیں ، انہیں روکنا ٹوکنا چاہئے ۔ ” فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدْ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لَانَفْصَامٍ لَهَا “ (۳۷) جو طاغوت کا انکار کرے اور خدا پر ایمان لائے اس نے خدا کی ایسی مضبوط رسی کو پکڑ لیا ہے جو ٹوٹنے والی نہیں ہے ۔

خدا پر ایمان اور طاغوت کا انکار ، مکتب توحید کی پہلی شق ہے : ” وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ “ (۳۸)

” اور ہم نے ہر قوم کے لئے ایک رسول بھیجا ، جو ان سے کہے کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت (شیطان) سے دوری اختیار کرو “

در اصل ارتقاء و وحدت ، صالح افراد کی حاکمیت یعنی قانون ، سیاست اور دینی ثبات ہی کے زیر سایہ ممکن ہے ، اور کفر ، ضلالت اور تباہی طاغوتی سر براہوں کا وہ پیشہ ہے جس سے وہ باز نہیں آسکتے ۔ لہذا اصلاح طلب افراد کا ایمانی و انسانی فریضہ ہے کہ انسانی ارتقا کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرنے والے عناصر کو فنا کے حوالے کر دیں ، تاکہ انسانیت بغیر کسی رکاوٹ کے اپنی منزل مقصود تک رسائی حاصل کر سکے ۔ اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ جس طرح سے حضرت ابراہیم (ع) ، موسیٰ ، حضرت محمد مصطفیٰ اور اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاء و اولیاء نے عمل کیا اسی طرح عمل کیا جائے ۔ خاتم انبیاء حضرت محمد مصطفیٰ نے اپنی اعلانیہ دعوت کے دوران تمام ممالک کے سربراہوں کو پیغام روانہ کیے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں پر ظلم و ستم ڈھانے سے باز آکر تسلیم حق ہو جائیں یا مکے کے قبائلی سرداروں ، ثروت مندوں اور سود خواروں کو تنبیہ کی تھی کہ وہ محروم افراد کے استحصال سے باز آجائیں ۔ آپ پیش قدمی کرتے رہے یہاں تک کہ ان علاقوں ، حکومتوں اور قبائلی سرداروں کے افکار و خیالات میں موجود فساد کی جڑوں کو ریشہ کن کر کے ایسی اسلامی حکومت کی سنگ بنیاد رکھی جو خدا پر ایمان اور انسان کی قدر و قیمت کی قائل ہے ۔ ” کما ارسلنا فیکم رسولا منکم یتلوا علیکم آیاتنا و یزکیکم و یعلمکم الکتاب و الحکمة و یعلمکم ما لم تکنوا تعلمون “ (۳۹)

” جیسے ہم نے تم ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ہماری آیتیں تم کو پڑھ کر سناتا ہے ، تم کو پاکیزہ کرتا ہے ، تم کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تم کو وہ سب کچھ سکھاتا ہے جو کچھ تم نہیں جانتے تھے “ ۔ قرآن مجید تربیت اور تزکیہ کے لحاظ سے رہبروں کی ذمہ داری کو مزید وضاحت کے ساتھ پیش کرتا ہے ۔

” الذین ان مکنا ہم فی الارض ولله عاقبة الامور “ (۴۰)

” یہی وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے زمین میں اقتدار دیا تو انہوں نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی ، اور نیک کاموں کا حکم دیا اور برائیوں سے روکا اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے ۔

اس لحاظ سے سیاسی رہبروں کی ذمہ داری محض یہی نہیں ہے کہ ملک کے اقتصادیات ، سیاست اور امن و امان ہی کو بحال کریں ، بلکہ اخلاق ، ایمان ، عمل ، تقویٰ ، احسان کو بحال کرنے اور فساد و منکر کو اپنی حکومت کے دائرے سے ختم کرنے کی ذمہ داری اس سے بڑھ کر ہے ، در حقیقت یہ بڑی خصوصیت ہے جو اسلام کے سیاسی نظام کو دوسرے سیاسی نظاموں پر فوقیت عطا کرتی ہے ۔

اسلامی نظام میں حقوق

حقوق بھی اسلامی سیاست کا ایک حصہ ہیں اور اس مفروضہ کی بنا پر حقوق سے وابستہ قوانین کا تعین اللہ تعالیٰ کی جانب سے اسی طرح قانونی حیثیت کا حامل ہے جس طرح سے دین اسلام کی بنیاد پر مبنی اسلامی عدالتوں کے قوانین و مقررات کو قانونی حیثیت حاصل ہے ۔

قرآن مجید میں غیر شرعی اور غیر قانونی عدالتوں کا ذکر طاغوت کے عنوان سے کیا گیا ہے اور ان کی اطاعت قبول کرنا طاغوت کی اطاعت قبول کرنے کے برابر بتائی گئی ہے ، جبکہ عدالت اور انصاف کا تعلق صرف اللہ ، اس کے رسولوں اور ان کی پیروی کرنے والوں سے ہے ۔

(۵) ” یا ایہا الذین آمنوا اطیعوا اللہ ----- واحسن تاویلا “ ” الم تر الی الذین یزعمون -----ان یضلہم ضلالا بعیدا “ (۴۱)

” اے ایمان لانے والو ! اللہ کی اطاعت کرو اور اس اور ان والیان امر کی اطاعت کرو جو تم ہی میں سے ہیں پھر اگر کسی معاملے میں تم میں آپس میں جھگڑا ہو تو فیصلے کے لئے اسے اللہ اور رسول کی طرف پلٹادو بشرطیکہ تم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو ۔ یہی سب سے بہتر اور عمدہ تاویل ہے ۔ کیا تم نے ان کو نہیں دیکھا جو یہ گمان کرتے ہیں کہ جو کچھ تم پر نازل کیا گیا اور جو کچھ تم سے پہلے نازل کیا گیا وہ سب پر ایمان لائے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اپنا مقدمہ طاغوت کے پاس لے جائیں حالانکہ ان کو حکم دیا جا چکا ہے کہ اس کے منکر ہوں اور شیطان یہ ارادہ رکھتا ہے کہ ان کو بھٹکا کر بڑی گمراہی میں ڈال دے۔

ان آیتوں میں ان لوگوں کی سخت مذمت کی گئی ہے جنہوں نے غیر شرعی اور غیر قانونی عدالتوں کے فیصلوں کو مانا اور ان پر عمل کیا ہے حالانکہ اسلام کے سیاسی، قانونی اور سماجی نظام میں حاکمیت اور قضا کے قانونی مقام کا تعین اللہ ، اس کے رسول اور والیان حق کے ذریعے ہونا لازمی ہے اور جو حکم ان کی جانب سے صادر ہو اس پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔

” و ما کان لمؤمن و لا مؤمنة -----فقد ضل ضلالا مبینا “ (۴۲) ” کسی مومن مرد کے لئے یہ بات مناسب ہے نہ کسی مومن عورت کے لئے کہ جب خدا اور اس کے رسول نے ایک بات طے کر دی تو پھر انہیں اپنے اس معاملہ میں کچھ بھی اختیار (باقی) رہے ۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا یقیناً وہ تو کھلی گمراہی میں پڑے گا “

افراد اور اسلامی معاشرے سے وابستہ قوانین کی ضمانت شرع مقدس اور اس کے قوانین و مقررات کی روشنی میں ان شرعی حاکموں کے ذریعے ہوتی ہے جو اسلامی نظام میں والیان صالح کے ذریعے مقرر کیے جاتے ہیں ۔

قرآنی آیات کی بنا پر اب تک اسلام کے سیاسی نظام میں حکومت کے اغراض و مقاصد اور فرائض کے بارے میں جو کچھ معروضات پیش کیے جا چکے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے :

- ۱۔ مکتب حق یعنی اسلام کی حفاظت ، جو تمام فضیلتوں کی اساس ہے ۔
- ۲۔ طاغوت سے جنگ ، جو تمام خباثت اور تباہیوں کی جڑ ہے ۔
- ۳۔ مستضعفین کی حمایت اور غریبوں کی مدد ، جو دستور قرآن کی بجا آوری ہے ۔
- ۴۔ محروموں کے حقوق چھیننے اور غصب کرنے والوں کو کچلنا ۔

- ۵۔ حق ، انصاف اور مساوات کی بنیادوپر انفرادی اور سماجی حقوق کو محفوظ رکھنا ۔
- ۶۔ ملک کے اقتصادیات کو فروغ دینے کی غرض سے تبعیض اور استحصال پر قابو پانا ۔
- ۷۔ اتحاد کو محفوظ رکھتے ہوئے اختلافات کو ختم کرنا ۔
- ۸۔ انسان کی دنیوی اور اخروی سعادت کی ارتقا کے لئے شائستہ مکتب فکر اور رہبری کی بنیاد پر لوگوں کو تربیت دینا ۔

اسلام میں نظام حکومت

دوسرا قابل بحث موضوع اسلام میں سیاسی نظام ہے ۔ نظریات ، فلسفوں ، عرف عام اور رسم و رواج کے نقطہ نظر سے سیاسی نظام اور حکومت کی قسمیں مختلف ہیں ۔ حضرت عیسیٰ (ع) مسیح کی ولادت سے چار صدی پہلے یونانی معاشرے میں ارسطو نے ” سیاست “ کے موضوع پر ایک کتاب لکھی تھی جس میں تین طرح کی حکومتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے : استبدادی (شخصی) ، اشرافی (بالا طبقے کی حکومت) اور ڈیموکریسی ۔ تاریخ علم سیاسیات کی طویل مدت میں ڈیموکریسی حکومت سب سے بہتر سمجھی گئی ہے ، اس سے قطع نظر کہ مفہیم میں کس قسم کے اختلافات موجود ہیں ، لوگ اس سے کیا مراد لیتے ہیں اور کس حد تک یہ لفظ صحت و سقم پر مبنی ہے ۔ ہمارا مقصد صرف اتنا ہے کہ اسلامی سیاست و حکومت، مذکورہ حکومتوں میں سے کس حکومت سے مماثلت رکھتی ہے ؟

اس سوال کے جواب میں قرآنی آیتوں پر غور و فکر کرنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اسلامی معاشرے میں سیاست کا مفہوم ڈیموکریسی کے اس مفہوم سے قریب ہے جس میں کسی قسم کا دھوکہ اور فریب شامل نہ ہو، لیکن ان دونوں کے درمیان وہ بنیادی اختلاف بھی موجود ہے جو اسلامی نظام میں روح سیاست کے تشخص کا باعث ہوتا ہے اور وہ ہے حاکمیت خدائے لا یزال ۔

اس موضوع کو مزید واضح کرنے کی غرض سے قرآن مجید کی روشنی میں ان اصولوں کو پیش کیا جا رہا ہے جن سے حکومت کو قانونی حیثیت ملتی ہے اور اس کے بعد مذکورہ خصوصیت کا تفصیلی جائزہ لیا جائے گا ۔

حکومت کے بروئے کار آنے کی صورتیں

- ۱۔ نص : یعنی خدا اور رسول کی طرف سے تعین ۔ یہ امتیاز در اصل پیغمبر و امام کو حاصل ہوتا ہے ، پھر نتیجہً ” ولی فقیہ کو ، بشرطیکہ اس میں نبی و اوصیائے نبی کے بیان کردہ اساسی صفات پائے جاتے ہوں ۔ جیسا کہ آیہ ذیل سے واضح ہے ۔
- ”یاایہاالذین آمنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم“ (۴۳) ” اے ایمان لانے والو ، اللہ رسول اور ان والیان امر کی اطاعت کرو جو تم ہی میں سے ہیں “ ۔

- ۲۔ شوریٰ یعنی ارباب حل و عقد جو عوام کی نظر میں مقبول ہوں وہی آپس میں مشورہ کر کے نیک اور صالح ترین شخص کو انتخاب کر سکتے ہیں ۔

۳۔ رائے عامہ : نص صریح کی عدم موجودگی میں عوام ، اسلام میں مذکورہ صفات و خصوصیات کے حامل شخص کو حکمرانی کے لئے انتخاب کر کے اسے اسلامی معاشرے میں سیاست کرنے کی ذمہ داری سونپ سکتے ہیں ۔

لیکن انتخاب ہو یا شوریٰ ان دونوں کے نتیجہ میں ایک بنیادی نکتہ جو لوگوں کی فکر و توجہ کا مرکز اور جس کے ذریعے اسلامی نظام دوسرے نظاموں سے ممتاز قرار پاتا ہے ، اسلامی سیاست کے معاملوں پر ولی امر کی نظارت کا مسئلہ ہے ، جسے ہر حالت میں ہونا چاہئے ۔ اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ ولایت امر کا تعلق صرف پیغمبر و امام (ع) اور زمانہ غیب میں جبکہ پیغمبر و امام تک رسائی ممکن نہیں ، اس فقیہ سے ہے جسکے اندر وہ تمام شرائط پائی جاتی ہوں جو ولی امر کے لئے بیان کی گئی ہیں ۔ ولی امر لوگوں سے مشورہ اور رائے طلب کرنے کے بعد منظور ہونے والی قرار دادوں پر غور و فکر کر کے ان کو منظور یا نا منظور کر سکتا ہے اور یہ حق ولی امر کے لئے ہمیشہ سے محفوظ ہے ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے : ” و شاور ہم فی الامر فاذا عزمتم فتوکل علی اللہ “ ” آیت میں مشورہ کرنے پر زور ضرور ہے لیکن آخری فیصلہ کرنا پیغمبر کے ذمے ہے وہ بھی خدا پر بھروسہ کرتے ہوئے “ ۔

لہذا اسلام کے سیاسی نظام میں شوریٰ اور رائے عامہ کی خصوصیت یہ ہے کہ دوسرے سیاسی نظام میں صرف شوریٰ اور رائے عامہ پر ہی زور دیتے ہیں اور خدا و پیغمبر سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہوتا جبکہ اسلامی سیاست کا زور زیادہ تر خدا اور بندوں کے درمیان حکومت میں پیغمبر کی نظارت پر ہوتا ہے ۔ جو حاکمیت ولی امر کے ذریعے عملی شکل اختیار کرتی ہے ، درحقیقت اس کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے ، البتہ لوگ بھی فکر و نظر کے مالک ہیں لیکن یہ فکر و نظر بطور مطلق نہیں بلکہ اس شرط پر ہے کہ ان کے افکار و خیالات احکام و قوانین الہی سے مطابقت اور ولایت امر سے موافقت رکھتے ہوں ۔ ” لتحکم بین الناس بما اراک اللہ “ (۴۴)

اسلام کے سیاسی نظام میں قوانین کے مآخذ

گذشتہ بحثوں کے دوران اشارہ کیا جا چکا ہے کہ اسلام کے سیاسی نظام میں احکام و قوانین وحی سے ماخوذ ہیں جو عالم غیب سے آنحضرت پر نازل ہوئے اور بعد میں ان کے قول و فعل سے اس کی تعبیر کی گئی ۔ امت مسلمہ کے اعتقاد کے مطابق ، قرآن مجید ان تمام اصولوں اور احکام و قوانین پر مشتمل ہے جو ہر دور اور ہر زمانے کے لحاظ سے انسانوں کی ضرورت کو پورا کرتے ہیں ، لہذا ہر زمانے میں رونما ہونے والے مسائل اور جزئیات کو اس کلیہ پر منطبق کر کے ہر وقت نتیجہ حاصل کیا جا سکتا ہے ۔

فقہ میں اجتہاد کا مسئلہ ایک خاص مقام رکھنے کے ساتھ ساتھ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ ہر زمانے میں احکام و قوانین کا نفاذ ممکن ہے ۔ کیونکہ اس کا سرچشمہ ” قرآن و حدیث “ ہے ۔ قرآن و سنت سے ہر مسئلہ ، ہر ضرورت اور ہر مشکل کا حل ملتا ہے ۔ لہذا اسلام ، سیاست و ریاست اور قانون و آئین میں کبھی خاموش نظر نہیں آتا ۔ اجتہاد انسان کے انفرادی ، اجتماعی ، قومی اور بین الاقوامی مسائل و معاملات میں معقول حل دریافت کر سکتا ہے ۔ ” لتحکم بین الناس بما اراک اللہ “ (۴۵)

قوانین کے نفاذ کی ضمانت

اسلام کے سیاسی نظام میں اگرچہ احکام الہی کے نفاذ کی زیادہ تر ذمہ داری ملک کے سربراہ پر عائد ہوتی ہے ، لیکن امت کا ہر فرد بھی اس بات کا پابند ہے کہ وہ نفاذ قوانین میں خود کو ذمہ دار سمجھے ، کیونکہ اسلامی نظام میں قوانین محض خشک و جبری ضوابط نہیں ہیں جس سے لوگ اکتا کر بھاگ جائیں بلکہ ان کا شمار ان فرائض میں ہوتا ہے جن کو ایک مسلمان خدا سے لگاؤ اور اس کی خوشنودی اور سعادت حاصل کرنے کے لئے انجام دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس طرح کے نظام میں قوانین کا نفاذ اسلامی حکومت کے لئے زحمت پیدا نہیں کرتا ، اگرچہ ہر معاشرے میں کچھ ایسے افراد ضرور ہوتے ہیں جو قانون شکنی پر کمر بستہ رہتے ہیں۔ اسلامی حکومت ایسے افراد سے نپٹنے کے لئے قانونی اور شرعی سزائیں دینے کی مجاز ہے اور اسلام کا قانون سزا ایسے ہی افراد کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ اس کے مقابلے میں معاشرے کے وہ افراد بہت نمایاں ہیں جو فکری و عملی طور پر خوشی خوشی اپنی ذمہ داریاں پوری کرتے ہیں :

” انما کان قول المؤمنین اذا دعوا الى الله ورسوله ليحكم بينهم ان يقولوا سمعنا واطعنا واولئک هم المفلحون “ (۲۶) ” جس وقت بھی مومنین خدا اور اس کے رسول کی طرف اس غرض سے بلائے جائیں کہ رسول ان کے ما بین فیصلہ کرے تو ان کا قول اس کے سوا اور کچھ ہوتا ہی نہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی اور وہی فلاح پانے والے ہیں ۔

” فلا وربک لا یؤمنون حتیٰ یحکموا فیما شجر بینہم “ (۴۷) ” خدا کی قسم وہ ایمان ہی نہیں لائینگے جب تک کہ اپنے ذاتی اختلافات میں تمہیں حکم نہ بنا لیں ۔

اسلامی معاشرے میں تو یہاں تک ہے کہ اگر کوئی مسلمان گروہ جھگڑا تا ہے تو تمام مسلمان اس گروہ کی اصلاح کرنے کے پابند ہیں اور اگر اصلاح طلب کو ششیں کرنے کے باوجود بھی فریق مخالف نہ مانے تو ان کے ساتھ وہ رویہ اختیار کریں جس سے ان کے فساد کا خاتمہ ہو جائے اور تمام اسلامی خطوں میں حق پھیل جائے ۔

” و ان طائفتان من المؤمنین ان الله یحب المقسطین “ (۴۸)

” اور اگر مومنوں کے دو گروہ آپس میں لڑیں تو ان کے ما بین صلح کرا دو ، پھر اگر ان دونوں میں سے ایک دوسرے پر زیادتی کرے تو جو زیادتی کرتا ہے اس سے لڑو تا آنکہ وہ اللہ کے فیصلے کی طرف رجوع کرے ، اس وقت انصاف سے ان دونوں کے ما بین صلح کر دو اور انصاف بر تو ۔ بیشک اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے ۔“

انصاف کے ساتھ صلح کرانے کا یہ مطلب نہیں کہ ہتھیار ڈال دیے جائیں اور مظلوم و ظالم کی پہچان نہ ہو سکے ، بلکہ اگر کسی مسلمان کی عزت و آبرو یا مال پر حملہ ہوتا ہے تو ظالم کو سزا ملنا چاہئے اور ہر صاحب حق کو اس کا حق ملنا چاہئے ۔ عدل و انصاف کا مطلب غصہ شدہ حقوق واپس دلانے کے ہیں اور ان دونوں کا تعلق نا قابل تفکیک ہے ، لہذا صلح و انصاف کو ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگ ہونا چاہئے تاکہ ظالموں کو سزا ملنے کے بجائے حوصلہ افزائی نہ ہو ۔

بہر حال اسلام کے سیاسی نظام سے وابستہ تمام امور میں قوانین کا ہونا لازمی ہے خواہ داخلی ہوں یا خارجی ، تاکہ اسلامی نظام افرا تفری سے بچ سکے اور امن و امان باقی رہے نیز لوگوں کے فردی و سماجی حقوق پامال نہ ہوں ۔

اب تک جن نکات پر بحث ہوئی ان کی مدد سے یہ بات واضح ہو گئی کہ تین ادارے (مقننہ ، قضائہ اور مجریہ) ہر نظام کے ارکان شمار کیے جاتے ہیں ، اسلام کے سیاسی نظام میں ان اداروں کو قانونی حیثیت کہاں سے حاصل ہوتی ہے ؟ ان کے اغراض و مقاصد کیا ہیں ؟ ان کا آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ کس قسم کا تعلق ہے ؟ اور اس کے مد مقابل عوام کا فرض کیا ہے ؟ اس بحث میں آج کل کی سیاست میں منصوبوں اور پروگراموں کے نفاذ پر گفتگو کی جا سکتی ہے لیکن اس کی جزئیات پر بحث سر دست ممکن نہیں ہے ۔

عوام اور حکومت کا ایک دوسرے سے تعلق

اسلام کے سیاسی نظام میں عوام اور حکومت کا ایک دوسرے سے تعلق حاکم و محکوم ظالم و مظلوم اور طاقتور و کمزور جیسا نہیں ہے بلکہ یہ تعلق اللہ تعالیٰ کی حاکمیت ، عوام کے عزم و استقلال ، محبت ، تعاون اور ایمان و صداقت پر مبنی ہے ۔ یعنی وہی طرز عمل جو پیغمبر اسلام اور اللہ کے دیگر انبیاء و رسول نے اختیار کیا تھا ۔

قرآن کریم نے پیغمبر اکرم کے مقصد بعثت کی وضاحت کرتے ہوئے اس نکتہ پر خاص توجہ دلائی ہے کہ پیغمبر اکرم کی تحریک کا سارا دار و مدار اس پر تھا کہ وہ ان زنجیروں کو توڑ دیں جو اس زمانے کے لوگوں کو غلامی کے بندھن میں جکڑے ہوئے تھیں ۔

” و یضع عنهم اصرهم و الاغلال التي كانت عليهم “ (۴۹)

” یہی ولایت ہے جس کی بنیاد پر پیغمبر اور اولی الامر لوگوں پر حکومت کرتے ہیں “

” النبی اولی بالمومنین من انفسهم “ ” نبی مومنین کی جانوں پر خود ان سے زیادہ اختیار رکھنے والا ہے “ ۔

” فلا و ربک لا یومنون حتی یحکموا فیما شجر بینہم ثم لا یجدوا فی انفسہم حرجا مما قضیت و یسلموا

تسلیم “ (۵۰)

” تمہارے پروردگار کی قسم یہ لوگ کبھی مومن نہ ہوں گے جب تک کہ ان جھگڑوں میں جو ان کے درمیان ہوتے ہیں تم کو حاکم نہ بنا لیں پھر جو کچھ تم فیصلہ کر دو اس سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں اور اس کو اس طرح تسلیم کر لیں جیسا کہ تسلیم کرنے کا حق ہے ۔

اس طرح کے نظام میں جس کی بنیاد ولایت ، ہم آہنگی اور مشترکہ مقاصد پر استوار و محکم ہے ، نہ صرف عوام اور حکومت ایک دوسرے سے جدا نہیں بلکہ عوام حکومت سے غافل نہیں رہتے ، نتیجہً نظام کی حفاظت اصلی اعتبار سے عوام و امام اور حکومت کے اتحاد پر منحصر ہو تی ہے۔

سیاسی مسائل میں علماء و عوام کی ذمہ داری

علماء دین جو اسلامی معاشرے میں صاحب فکر و نظر اور ہدایت و رہبری کے ذمہ دار سمجھے جاتے ہیں ، سیاسی مسائل میں بھی ان کی ذمہ داری عظیم و موثر ہے۔ قرآن کریم نے اہل کتاب کے مذہبی پیشواؤں میں سے ان افراد کی سخت مذمت کی ہے جنہوں نے مظالم دیکھ کر بھی ظلم کو روکنے کی کوشش نہیں کی ۔ جبکہ قرآن مجید امت مسلمہ کے ہر فرد اور خاص طور پر علماء دین کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور ظلم و ستم

و بدعت ختم کرنے کی دعوت دیتا ہے ۔

” لولا ينههم الربانيون و الاحبار عن قولهم الاثم و اكلهم السحت لبئس ما كانوا يصنعون “ (۵۱)، آخر اللہ والے اور علماء ان کو جھوٹی بات کہنے اور حرام خوری سے کیوں نہیں منع کرتے یقیناً جو کچھ وہ کرتے ہیں ’بہت برا کرتے ہیں‘ ،

” لعن الذين كفر و امن بنى اسرائيل على لسان داؤد و عيسى ابن مريم ذالك بما عصوا و كانوا يعتدون ، كانوا لا يتناهون عن منكر فعلوه لبئس ما كانوا يفعلون “ (۵۲)

” بنی اسرائیل میں سے جو کافر ہو گئے ان پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبانی لعنت کی گئی ۔ یہ اس لئے کہ وہ نا فرمانی اور زیادتی کیا کرتے تھے اس سے وہ باز نہ آتے تھے ، ضرور جو کچھ وہ کرتے تھے وہ بہت ہی برا تھا “ ۔ مذکورہ آیتیں ، ظلم سے مفاہمت کرنے والوں اور ان علمائے دین کو جو ظلم کے سامنے سکوت اختیار کرتے ہیں ، کافروں میں شمار کرتی ہیں اور خدا و پیغمبر کی لعنت کا مستحق سمجھتی ہیں ۔ مذہبی علماء کی سب سے بڑی ذمہ داری ان جابر و ظالم حکمرانوں کے اعمال پر نظارت اور ان پر قابو پانا ہے ۔ مسند اقتدار پر بیٹھ کر دینی مقدسات اور لوگوں کی عزت و آبرو سے کھیلنے والوں کے سامنے سکوت اختیار کرنا ناقابل معافی جرم اور سخت عذاب کا باعث ہے ۔

عوام کی ذمہ داری

اس اہم مسئلہ میں عوام کی ذمہ داریوں کو بھی معمولی نہیں سمجھنا چاہئے ، الٰہی عذابوں میں سے ایک عذاب لوگوں پر فاسد افراد کی حکومت ہے ، اس بارے میں قرآن مجید کا بیان ہے :

”واذا اردنا ان نهلك قرية امرنا مترفيا ففسقوا فيها فحق عليها القول فدمرنا هاتد ميرا “ (۵۳)

” اور ہم جب کسی بستی کو (ان کے اعمال کی بناء پر) ہلاک کر دینے کا ارادہ کرتے ہیں تو ہم اس بستی کے عیش پرست افراد کو حکم دیتے ہیں پس وہ نا فرمانی کرنے لگتے ہیں پھر وہ بستی عذاب کی مستحق ہو جاتی ہے اور ہم تھس تھس کر دیتے ہیں “ ۔

ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انصاف اور حکمت کی بنا پر یہ ” ہلاکت “ جو صاحب اقتدار ظالم و جابر افراد کے ذریعے عملی شکل اختیار کرتی ہے ، اس کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے اقدام نہیں کہا جا سکتا ، بلکہ یہ ایک طرح کا عذاب ہے جس کا سامنا لوگوں کو ظلم کے سامنے سر تسلیم خم کرنے اور سکوت اختیار کرنے کی وجہ سے کرنا پڑ رہا ہے ۔ جیسا کہ آیتیں بھی اسی طرف اشارہ کرتی ہیں :

” ذالك ان لم يكن ربك مهلك القرى بظلم و اهلها غافلون “ (۵۴)

” (یہ رسولوں کا بھیجنا) اس لئے ہے کہ تمہارا رب بستیوں کو نا حق بر باد نہیں کرتا درآنحالیکہ ان کے باشندے بالکل غافل و بے خبر ہوں “ ۔

اللہ کا طریقہ کار یہ ہے کہ شروع میں خبر دار کرتا ہے اور لوگوں کی سیاسی ، عبادی ، سماجی ، اخلاقی ، ثقافتی اور فوجی و دفاعی وغیرہ ذمہ داریوں کو معین کرتا ہے ، پھر نیک حکمران کو ان پر حکومت کے لئے معین کرتا ہے ۔ اب اگر لوگ ایسے حکمران کی اطاعت نہیں کرتے تو پھر اللہ ظالم حکمرانوں کو ڈھیل دیتا ہے ، اس طریقے سے اللہ کا عذاب ظالم و جابر افراد کے ذریعے لوگوں پر نازل ہوتا ہے ۔

لہذا لوگوں کو چاہئے کہ وہ اپنا مقدر سنوارنے کی خاطر نیک رہبروں کی قیادت میں استکباری طاقتوں سے

مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو جائیں تاکہ اللہ کی حاکمیت جو ایسے ہی نیک افراد کی حاکمیت ہے ، عملی جامہ پہن سکے ، اس لئے کہ:

” و ان الارض یورثها من یشاء من عبادہ و العاقبة للمتقین “ ” زمین خدا کی ہے ، اپنے بندوں میں سے جسے چاہے وارث بنا سکتا ہے لیکن کامیاب وہی لوگ ہوں گے جو پرہیز گار اور متقی ہوں ۔

حوالے

- ۱۔ سورہ نمل آیت ۳۴
- ۲۔ سورہ بقرہ ۲۴۷
- ۳۔ سورہ آل عمران آیت ۲۶
- ۴۔ سورہ بقرہ آیت ۲۵۱
- ۵۔ سورہ ص ۲۶
- ۶۔ سورہ نمل آیت ۱۶-۱۷
- ۷۔ سورہ یوسف آیت ۵۴ تا ۵۶
- ۸۔ کہف ۸۲، ۸۳
- ۹۔ سورہ یوسف ۴۰
- ۱۰۔ سورہ غافر آیت ۱۲
- ۱۱۔ سورہ مائدہ آیت ۵۰
- ۱۲۔ سورہ انعام آیت ۵۷
- ۱۳۔ سورہ نساء آیت ۵۶
- ۱۴۔ سورہ مائدہ آیت ۴۲
- ۱۵۔ سورہ نساء آیت ۵۸
- ۱۶۔ سورہ مائدہ آیت ۵۵
- ۱۷۔ سورہ احزاب آیت ۶
- ۱۸۔ سورہ نساء آیت ۵۹
- ۱۹۔ سورہ شعراء آیت ۵۱، ۱۵۲
- ۲۰۔ سورہ ہود ۵۹
- ۲۱۔ سورہ ہود ۹۷
- ۲۲۔ سورہ بقرہ آیت ۱۲۴
- ۲۳۔ سورہ انبیاء آیت ۷۳
- ۲۴۔ سورہ توبہ آیت ۱۲
- ۲۵۔ سورہ بقرہ آیت ۱۹۳
- ۲۶۔ سورہ قصص آیت ۴

۲۷. سوره قصص آیت ۵
۲۸. سوره حدید آیت ۲۵
۲۹. سوره شوریٰ آیت ۱۵
۳۰. سوره مائده آیت ۲۲
۳۱. سوره مائده آیت ۸
۳۲. سوره جن آیت ۱۵
۳۳. سوره بقره آیت ۲۱۳
۳۴. سوره توبه ۱۲
۳۵. سوره ه بقره ۱۹۳
۳۶. سوره هود آیت ۹۶ تا ۹۸
۳۷. سوره بقره ۲۵۶
۳۸. سوره نحل ۳۶
۳۹. سوره بقره آیت ۱۵۱
۴۰. سوره حج آیت ۲۱
۴۱. سوره نساء آیت ۵۹ تا ۶۰
۴۲. سوره احزاب آیت ۳۶
۴۳. سوره نساء آیت ۵۹
۴۴. سوره نساء ۱۰۵
۴۵. نساء ۱۰۵
۴۶. سوره نور آیت ۵۱
۴۷. نساء ۶۵
۴۸. سوره حجرات آیت ۹
۴۹. سوره اعراف آیت ۱۵۷
۵۰. سوره نساء آیت ۶۵
۵۱. سوره مائده آیت ۶۳
۵۲. سوره مائده آیت ۷۹، ۷۸
۵۳. سوره اسراء آیت ۱۶
۵۴. سوره ه انعام آیت ۱۳